© rasailojaraid.com

ایک شہید کی یاد

ابن الحسن عباسی

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن رحمہ اللہ کی شہادت کا واقعہ جب پیش آیا، اس وقت ان کی یاد میں لکھنے کا ارادہ تھا، جانے والے کی خوبیوں کا ذکر ہی ایک ایساندرانہ ہوتا ہے جو پیچھے رہنے والوں کے پاس رہ جاتا ہے، جسے وہ وقتاً فوقتاً پیش کر کے دل بہلا سکتے ہیں، آنسوؤں کے چند قطرے اور یادوں کے چند دریچے...... یہی کچھ سوغات رہ جاتی ہے لیکن سقوط طالبان کے بعد یوں محسوس ہوا کہ میرا قلم مرثیے لکھتے لکھتے تھک چکا ہے، ایک درماندہ رہرو کی بیابانی صداؤں کی طرح جو فضاؤں میں تحلیل ہو جاتی ہیں، اور ان کا کوئی جواب نہیں آتا...... اب جب مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا جمال عتیق صاحب نے شہید پر کتاب مرتب کرنے کا عزم کیا ہے، اور مجھے لکھنے کے لئے کہا تو میں انکار نہیں کر سکا، سوچنے لگا گفتار کے غازیوں کی پوٹری میں ایک لفظوں کا خراج ہی ہوتا ہے وہ بھی پیش نہ کریں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے کہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام شامل کرنے کی تمنا بھی دم توڑ رہی ہے۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا نام ابھی عوامی اور علمی حلقوں میں زیادہ مشہور نہیں ہوا تھا، محاورے کی زبان میں ان کے مرغ شہرت کے پروں کو سارے بال نہیں آئے تھے اور ابھی شہرت کے بام عروج تک نہیں پہنچے تھے، لیکن بڑی تیزی کے ساتھ مقبول ہو رہے تھے، اور مفتی نظام الدین شامزئی صاحب کے بعد ان کی طرف رجوع بڑھ رہا تھا، وہ اندرون سندھ واقفیت کا ایک بڑا حلقہ رکھتے تھے کہ برسوں وہاں رہے تھے۔ شہر بلکہ ملک کے مدارس اور دینی اور مذہبی حلقوں، جلسوں اور تقاریب کے لئے ایک ایسے وجیہ عالم دین کی ضرورت رہتی ہے جو فن خطابت سے آشنا ہو، اور آسانی کے ساتھ سب کو میسر آ جاتا ہو، کچھ خطباء بڑی احتیاط اور شرائط برتتے ہیں، پوش علاقوں اور مخصوص حلقوں میں جانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور وہاں اسلام کی اشاعت کی وہ بجا طور بڑی ضرورت اور افادیت محسوس کرتے ہیں لیکن کچی اور پسماندہ آبادیوں کی تقریبات کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا، شاید وہاں انہیں اپنی دینی محنت کا برگ و بار دکھائی نہیں دیتا، ہمارے اکابر کا یہ شیوہ نہیں رہا، حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک دیہاتی کے سامنے پوری تقریر دہرادی تھی جو دور سے آئے تھے اور دیر ہونے کی وجہ سے تقریر ختم ہونے کے بعد پہنچے تھے، جن کی نوا اللہ کی رضا کے لئے بلند ہوتی ہے، وہ دنیاوی مفادات اور کروفر کو نگاہ میں نہیں لاتے، ان کا مطمح نظر بہت آگے، بہت بلند رہتا ہے، مفتی صاحب ایک ایسے ہی دردمند عالم دین تھے، وہ ہفتہ میں شہر کی چار پانچ مسجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے، عالم اسلام اور پاکستان کے سلگتے مسائل پر ان کی نظر تھی، اور ہواؤں کے بدلتے رخ سے وہ مضطرب اور بے چین رہتے تھے، احساس بڑی دولت ہے اور بے حسی قوموں کی زندگی کا بڑا روگ ہے، ہمارے شاعر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشرق نے تو باقاعدہ دعا مانگی ہے۔

احساس عنایت کر آثار مصیبت کا امروز کی شورش کو اندیشۂ فردا دے

ایک دن ان کا فون آیا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں، وہ دن گیارہ بجے کے قریب تشریف لائے۔ دو تین گھنٹوں کی نشست رہی، مختلف مسائل پر بات ہوئی۔ ایک جماعت کے بارے میں لکھی گئی میری ایک کتاب ان کے مطالعے میں رہی تھی۔ اس فرقے کے ساتھ ان کا مذاکرہ یا مناظرہ تھا، وہ بنیادی طور پر اس سلسلے میں آئے تھے۔ یہ کتاب میں نے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے حکم پر لکھی تھی اور اب تک اس کے نصف درجن سے زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہیں اس کا عربی ترجمہ بھی ہندو پاک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت میں نے اس موضوع پر کافی مطالعہ کیا تھا، کوئی دس پندرہ ہزار صفحات دیکھنے کے بعد اس کتاب کا پہلا حصہ لکھا تھا جو سو صفحات کے قریب ہوگا لیکن یہ موضوع میرے مزاج کا نہیں اس لئے میں نے اس کے ساتھ شغف برقرار نہیں رکھا، اس موقع پر بہت ساری باتیں ہوئیں، لیکن ایک بات انہوں نے بڑے درد سے اور بہت زور دے کر کہی جو مجھے اچھی طرح یاد ہے انہوں نے کہا: ”مولانا! برصغیر میں اہل حق کا شیرازہ بکھر چکا ہے، اور اس کا جمع ہونا اب مشکل ہے“

اس کے بعد ان سے ایک ملاقات مظاہر العلوم حیدر آباد میں ہوئی، مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا، وہ اندرون سندھ تین چار دن مختلف جلسوں کے سفر پر تھے، ان کے ساتھ ایک نشست عربی زبان کی تعلیم کے موضوع پر بھی ہوئی ”دینی مدارس میں عربی زبان“ کے موضوع پر ایک مذاکرہ تھا، جس میں دار العلوم کراچی سے مولانا عزیز الرحمن صاحب، جامعہ بنوری ٹاؤن سے مفتی عبد الرؤف غزنوی صاحب، جامعۃ الرشید سے شیخ محمد نعیم صاحب اور جامعہ بنوریہ سے مفتی عتیق الرحمن صاحب شریک تھے، جامعہ فاروقیہ سے یہ ناکارہ اور مولانا ولی خان مظفر صاحب تھے، دینی مدارس میں عربی زبان کی تعلیم کا معیار دوسری جہتوں سے تو بہت بلند ہے لیکن عربی میں بات چیت اور تکلم کے پہلو سے طلبہ میں کمزوری رہتی ہے اور جدید عربی اسلوب اور اصطلاحات سے آشنائی کم ہوتی ہے، اس کمزوری کو کیسے دور کیا جائے اور اس کے لئے کن اقدامات کی ضرورت ہے، یہ اصل موضوعِ مذاکرہ تھا...... مفتی صاحب نے اس موقع پر ”سکن تسکن“ کا لطیفہ سنایا، عربی زبان کے گرامر جاننے والوں کو معلوم ہے کہ محلِ اعراب، کلمہ کا آخر ہوتا ہے اور اعراب بالحرکت کی صورت میں کلمے کے آخری حرف پر زبر، زیر پیش کی تبدیلی سے اعراب کی حالت معلوم ہوتی ہے، کسی کی استعداد کا علم عربی عبارت پڑھنے سے ہو جاتا ہے لیکن یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب زبر، زیر، پیش کو ظاہر کر کے پڑھا جائے ”سکن تسکن“ میں فارمولا بتلایا گیا کہ آپ آخری حرف کو ساکن پڑھیں اور پرسکون رہیں، سکون دے کر پڑھنے میں نجات ہے کہ صحیح اور غلط کا پتہ ہی نہیں چل سکے گا۔ وہ تحریر کا بھی ذوق اور سلیقہ رکھتے تھے، روزنامہ اسلام میں کالم لکھا کرتے تھے اور قرآن کریم کے تیس پاروں کے مضامین کا خلاصہ بھی انہوں نے لکھا۔

کسے معلوم تھا کہ وہ اس قدر جلد دشمن کی گولیوں کی نذر ہو جائیں گے، ان کی شہادت کی ناگہانی خبر سنی تو دکھ اور حیرت کی کیفیت کا وہی وار سہنا پڑا جسے ہم برسوں سہہ رہے ہیں اور یوں ایک واعظِ خوش بیان سے مسلمان محروم ہو گئے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے

© rasailojaraid.com